رئیس احمد جعفری

تاثرات

سچی بات

پاکستان جب سے عالم وجود میں آیا ہے اس کے نظام حکومت سے متعلق بحث و گفتگو، اختلاف و نزاع، اور جدل و پیکار کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری ہے، اور خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ سلسلہ کب تک جاری رہے گا؟

مختلف حلقوں سے مختلف خیالات کا اظہار ہوتا رہا ہے اور ہو رہا ہے۔ کچھ ایسے باہمت لوگ بھی ہیں جو پاکستان کے لیے "سیکولر" حکومت کو سب سے زیادہ موزوں اور عملی چیز سمجھتے ہیں۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ یہاں حکومتِ الٰہیہ قائم ہونی چاہیے۔ ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں جو "اسٹیٹس کو" کے قائل ہیں یعنی جو کچھ اور جیسا کچھ ہو رہا ہے اس میں کسی تبدیلی اور تغیر کی ضرورت نہیں۔

لیکن یہ ساری باتیں سطحی قسم کی ہیں۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر ہم مسلمان ہیں اور یہ خطۂ ارض ہم نے اسلام کے نام پر لیا ہے اور ہماری آرزو یہ تھی کہ مسلمانوں کا ایک وطن عالم وجود میں آجائے جہاں وہ آزادی کے ساتھ بغیر کسی مداخلت اور احتساب کے اپنے کلچر، اپنی تہذیب اور اپنے دینی اقدار کو فروغ دے سکیں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ حکومت الٰہیہ کے نام سے ہمیں شرم آئے جب کہ صورت احوال یہ ہے کہ سیکولر حکومت اور اسلامی حکومت میں صرف لفظی فرق ہے۔ سیکولر حکومت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ حکومت کسی کے مذہبی

معاملات میں مداخلت نہیں کرتی۔ ہر شخص آزاد ہے کہ جس مذہب کو وہ صحیح اور درست سمجھتا ہے اس پر بغیر کسی خطرے اور اندیشے کے عمل کرے۔ اسلامی حکومت میں بھی تمام غیر مسلموں کو یہ آزادی حاصل ہے کہ وہ پورے اطمینان اور بے خوفی کے ساتھ اپنے شعائر، روایات اور مراسم بجالائیں۔ ان شعائر، روایات اور مراسم کی بجا آوری میں کوئی مداخلت نہیں کرسکتا۔ اور اگر کوئی ایسی جرأت کرتا ہے تو وہ مجرم ہے اسے قرار واقعی سزا دی جائے گی۔

البتہ اسلامی حکومت میں ایک بات ضرور انفرادیت رکھتی ہے۔ یہ حکومت ان لوگوں کو جو اپنے تئیں مسلمان کہتے ہیں، اسلامی احکام کی بجاآوری اور اسلامی شعائر وروایات کی بجاآوری پر مجبور کرتی ہے۔ یعنی مسلمانوں کی حد تک یہ حکومت "حکومت الٰہیہ" ہے اور غیر مسلموں کی حد تک یہ صرف "سیکولر" ہے۔

پاکستان کے قیام کو کم وبیش ۱۰ سال گزر چکے ہیں۔ یہ مدت معمولی مدت نہیں ہے۔ اگر مسلمان سنجیدگی سے حکومت الٰہیہ قائم کرنے کے درپے ہوتے تو اب تک نہ صرف حکومت الٰہیہ قائم ہو چکی ہوتی بلکہ برگ وبار بھی لا چکی ہوتی۔

حکومت الٰہیہ کے راستے میں سب سے زیادہ سنگ گراں بن کر جو لوگ حائل ہو رہے ہیں وہ وہی ہیں جو اس کی دعوت دیتے ہیں۔

ان لوگوں کی زبان پر تو حکومت الٰہیہ کا نام ہے لیکن اس اصطلاح سے ان کا مقصود کیا ہے۔ اور اسے کس رنگ میں یہ بروئے کار لانا چاہتے ہیں؟ یہ اب تک کسی نے نہیں بتایا۔

۱۹۲۸ء میں لارڈ برکن ہیڈ سیکریٹری آف اسٹیٹ فار انڈیا نے پارلیمنٹ میں ایک بیان دیتے ہوئے ہندوستانیوں کو طعنہ دیا تھا:

"یہ لوگ متحدہ دستور تو بنا نہیں سکتے آزادی کیا لیں گے!"

یہ طعنہ کام کر گیا۔ کانگرس نے نہرو کمیٹی موتی لال نہرو کی صدارت میں بنائی۔ اس کمیٹی نے ایک مکمل دستوری خاکہ اہل ہند اور اہل برطانیہ کے سامنے پیش کر دیا۔

"یہ ہے ہمارا دستور!"

اس دستور کو مسلمانوں نے نہیں مانا۔ ہندوؤں کے ایک طبقے نے قبول نہیں کیا۔ سکھوں نے مسترد کر دیا۔ خود کانگرس تک اس سے بالآخر دست بردار ہو گئی لیکن اس دستور کے بننے کے بعد سے آزادی خواہ طبقے میں ایک نیا جذبہ پیدا ہو گیا یہاں تک کہ ہندوستان تقسیم ہو کر آزاد ہوا، اور ہندوستان کے ساتھ پاکستان بھی عالم وجود میں آ گیا۔

حکومت الٰہیہ کی دعوت دینے والوں کو یہی طعنہ ہم دیتے ہیں۔

"آپ حکومت الٰہیہ کا دستور تک بنا نہیں سکتے، حکومت الٰہیہ کیا قائم کریں گے"۔

کاش ہمارا یہ طعنہ کام کر جائے اور مبہم الفاظ میں یہ دعوت دینے والے اسے صاف، واضح اور غیر مشتبہ انداز میں اسلامی دستور کا ایک خاکہ مسلمانان پاکستان کے سامنے اور دنیا کے سامنے پیش کر دیں۔

بے شک اس پر رد و قدح ہو گی۔ لیکن ہمیں یقین ہے کہ پھر حکومت الٰہیہ کے حقیقت بننے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔

اصل چیز یہ ہے کہ بہت سے لوگ حکومت الٰہیہ کے مفہوم سے ناآشنا ہیں، اور چونکہ اس مطالبے نے نعرے کی صورت اختیار کر لی ہے اس لیے طالع آزما سیاست دانوں نے بھی اسے اپنا لیا ہے۔ اور ان حضرات نے بھی جو خود اس کے مضمرات اور حقائق سے ناواقف ہیں۔ اگر یہ مطالبہ واضح اور منقح صورت میں سامنے آ جائے تو بہت سی غلط فہمیاں خود بخود دور ہو جائیں گی۔

صرف یہ کہہ دینا کہ منہاج خلافت راشدہ پر حکومت الٰہیہ قائم ہو گی، خود فریبی ہے۔

اس لیے کہ یہ لفظ مبہم ہے۔ اس کی وضاحت صرف اس طرح ہو سکتی ہے کہ یہ بتایا جائے کہ پارلیمانی یا صدارتی طرزِ حکومت جو بھی اختیار کیا جائے وہ اسلامی نقطۂ نظر سے کن حدود کا پابند ہو گا؟ مجالس آئین ساز کی نوعیت کیا ہو گی؟ جن جرائم کی سزائیں قرآن نے مقرر کر دی ہیں اور جنھیں فقہاءِ امت نے منقح کر دیا ہے ان کے علاوہ دوسرے جرائم کی سزائیں کس طرح نافذ کی جائیں گی؟ کابینہ کی شرعی حیثیت کیا ہو گی؟ صدرِ مملکت کا انتخاب کس طرح ہو گا؟ کتنی مدت کے لیے ہو گا؟ کیا وہ دائمی بھی ہو سکتا ہے؟ اگر ہو سکتا ہے تو اس کی تجدید کی وقتاً فوقتاً ضرورت ہے یا نہیں؟ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ صدرِ مملکت کو معزول یا برطرف کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر کیا جا سکتا ہے تو کن شرائط کے ماتحت؟ اسی طرح مجالس آئین ساز کی عمر کیا ہو گی؟ اس کے انتخاب کب اور کس طرح ہوں گے؟ اسے توڑنے یا منسوخ کرنے کے اختیارات کسے حاصل ہوں گے اور کن شرائط کے ماتحت؟

یہ اور اس طرح کی بہت سی باتیں ہیں جنھیں وضاحت کے ساتھ ایک دستور کی صورت میں پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ دستور کا نہ صرف پاکستان کے اہلِ علم و دانش کے سامنے تبصرے اور حصولِ آراء کے لیے پیش کیا جانا ضروری ہے بلکہ عالمِ اسلام کے اصحابِ علم و دانش کے افکار و آراء سے بھی مستفید ہونے کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد قوم اس کے بارے میں کوئی آخری اور قطعی فیصلہ کر سکے گی۔